

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
 ہم میں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ ماجرا کیا ہے؟
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
 جب کہ تجھ پر نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
 شکنِ دلفِ عنبریں کیوں ہیں؟ نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے؟
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟
 ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے، وفا کیا ہے؟
 ہاں بھلا کر، تیرا بھلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے؟
 جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا، دُعا کیا ہے؟
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب! مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟
 ا۔ شرح : پہلے مصرع میں سوال کا مدعا استفسار نہیں، بلکہ اک گونہ

ملامت ہے، یعنی اے دل! جو سوچ سمجھ سے بالکل عاری ہو چکا ہے، تو
 نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ عشق کے جس درد میں تو مبتلا ہے، بتا، اس کی
 کوئی دوا بھی ہو سکتی ہے؟ عشق تو ہمیشہ سے لا دوا مانا گیا ہے۔

اس استفہام سے مختلف پہلو پیدا کرنا شعر کو بے معنی بنا دینے کے مترادف
 ہے۔ مثلاً یہ مفہوم پیش کرنا کہ تجھے ہوا ہی کیا ہے، جس کا علاج کیا جائے؟